بشارات الانبیاء

نبوت محمدی کے متعلق انبیائے سابقین کی پیشین گوئیاں

(۲)

از جناب مولوی فضل حق صاحب

جن پیشین گوئیوں کو مسیحیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے متعلق کیا ہے ان میں سے پہلی پیشین گوئی وہ ہے جو انجیل متی باب اول میں بیان کی گئی ہے۔

پہلی پیشین گوئی | یہ سب کچھ ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ یہ ہے خدا ہمارے ساتھ (آیہ ۲۲-۲۳)

یہاں جس نبی کی پیشین گوئی کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ علمائے نصرانیت کی تصریح کے مطابق یسعیاہ علیہ السلام ہیں۔ کتاب یسعیاہ کے ساتویں باب میں یہ پیشین گوئی ان الفاظ کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

"باوجود اس کے خداوند آپ تمکو ایک نشان دے گا۔ دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور اس کا نام امانوایل رکھے گی۔" (آیہ ۱۴)

لیکن حضرت عیسٰی اس پیشین گوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انجیل متی کے مصنف اور کتاب یسعیاہ کے مترجم نے جس لفظ کا ترجمہ کنواری کیا ہے وہ دراصل "علمہ" ہے جس کے معنی علماء یہود کے نزدیک جوان عورت کے ہیں خواہ کنواری ہو یا نہ ہو یہی لفظ کتاب الامثال کے تیسویں باب میں آیا ہے۔ اور وہاں صاف طور پر اس سے مراد شادی شدہ جوان

عورت ہے۔ نیز کتاب یسعیاہ کے اس لفظ کا ترجمہ تینوں یونانی ترجموں تھیوڈوشن Theodotion ایکولا (Aquilla) اور سمیکس (Symmachus) میں جوان عورت کیا گیا ہے۔ یہ تینوں ترجمے قدیم ترین ہیں۔ پہلا ترجمہ سنہ ۱۲۹ء میں ہوا ہے۔ دوسرا سنہ ۱۷۵ء میں اور تیسرا سنہ ۲۰۰ء میں خصوصاً تھیوڈوشن کا ترجمہ علماء مسیحیہ کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے۔ پس علمائے یہود کی تفسیر اور ان تینوں ترجموں کی بنا پر متی کی رائے کا فساد ظاہر ہے۔

(۲) مسیح علیہ السلام کا نام کسی نے بھی عمانوایل نہیں رکھا نہ اُن کے باپ نے اور نہ اُن کی والدہ نے بلکہ انہوں نے ان کا نام یسوع رکھا تھا۔ انجیل متی میں تصریح ہے کہ فرشتہ نے اُن کے باپ کو خواب میں جو بشارت دی تھی اُس میں یہی کہا تھا کہ تو اس کا نام یسوع رکھیگا۔ (متی باب ۱۔ آیہ ۲۱) اور جبرئیل نے اُن کی ماں سے کہا تھا۔

" دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام یسوع رکھے گی "

(لوقا باب ۱۔ آیہ ۳۰)

خود حضرت مسیح نے ابھی کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرا نام عمانوایل ہے

(۳) جس قصہ میں یہ پیشین گوئی بیان ہوئی ہے۔ اُس سے خود یہ بات ظاہر ہورہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ وہاں بیان یہ ہے کہ آرام کا بادشاہ رضین اور اسرائیل کا بادشاہ فقح دونوں ملکر یروشلم کے بادشاہ آخز بن یوتام سے لڑنے کے لئے آئے۔ آخر کو ان کے اجتماع سے بہت خوف لاحق ہوا اس پر خداوند نے یسعیاہ نبی کو حکم دیا کہ آخز کا دل بڑھانے کے لئے اس سے کہے کہ تو خوف نہ کر یہ دونوں تجھ پر غالب نہ آئیں گے اور عنقریب ان کی سلطنت مٹ جائیگی پھر ان کی بربادی کی علامت یہ بتائی کہ ایک جوان عورت حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور قبل اس کے کہ وہ لڑکا نیک و بد میں تمیز کرنے کے قابل ہو ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت

تباہ ہو جائیگی۔ (ملاحظہ ہو کتاب یسعیاہ باب ۷۔ آیہ۔ ۱ تا ۱۶) یہ ثابت ہے کہ فقح کی حکومت اس بعد اکیس برس کے اندر تباہ ہوگئی یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے (۷۲۱) سات سو اکیس برس پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پیشین گوئی کا حضرت عیسیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

(۴) اناجیل سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ حمل کے وقت حضرت مریم کنواری (بن بیاہی) تھیں کیونکہ ان میں یہ تصریح ہے کہ وہ یوسف نجار کے نکاح میں آچکی تھیں چنانچہ حضرت عیسیٰ کے ہمعصر یہودی اُن کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ (انجیل متی باب ۱۳۔ آیہ ۵۵۔ انجیل یوحنا باب ۱۔ آیہ۔ ۴۵ و باب ۶ آیہ۔ ۴۲)

دوسری پیشین گوئی انجیل متی باب ۲ میں لکھا ہے "تب اس نے سب سردار کاہنوں اور قوم کے فقیہوں کو جمع کر کے اُن سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہو گا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا ہے کہ اے بیت لحم یہوداہ کی سرزمین تو یہوداہ کے سرداروں میں ہرگز کمترین نہیں ہے۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری قوم اسرائیل کی رعایت کرے گا (آیہ ۴ تا ۶)

اس پیشین گوئی کو جس نبی کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ میکاہ ہے، لیکن میکاہ نبی کی کتاب میں جو الفاظ پائے جاتے ہیں وہ متی کے الفاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ وہاں لکھا ہے :-

"پر اے بیت لحم افراتاہ ہرچند کہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے، تب بھی تجھ میں سے وہ شخص نکلکر مجھ پاس آوے گا جو اسرائیل میں حاکم ہوگا۔ اور اس کا نکلنا قدیم سے ایام الازل سے ہے "

(باب ۵۔ آیہ ۲)

علمائے نصاریٰ خود محسوس کرتے ہیں کہ دونوں عبارتوں میں کتنا فرق ہے۔ مگر اپنے بچاؤ کے لئے انہوں نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ کتاب میکاہ میں تحریف ہوئی ہے۔ حالانکہ نہ تو تحریف کا کوئی ثبوت

ان کے پاس ہے، نہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ میکاہ کی اصل عبارت کیا تھی جس کو بعد میں بدلا گیا۔

تیسری پیشین گوئی | انجیل متی باب ۲ آیت ۱۵ میں ہے۔

"اور ہیرودیس کے مرنے تک وہاں رہا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا"

اس کو حضرت مسیح کے حق میں ہوسیع نبی کی پیشین گوئی کہا جاتا ہے۔ مگر کتاب ہوسیع کے باب (۱۱) آیت (۱) میں یہ عبارت اس طرح ہے:-

"جب اسرائیل لڑکا تھا میں نے اس کو عزیز رکھا اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا

صاف ظاہر ہے کہ یہ ان احسانات کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل پر کیے گئے تھے۔ ہوسیع کا جو ترجمہ ۱۸۱۱ء میں بزبان عربی کیا گیا تھا۔ اس میں اپنے بیٹے کے بجائے "اس کے (یعنی اسرائیل کے) بیٹوں" کا لفظ لکھا تھا۔ مگر اس تحریف کے باوجود اس عبارت کو مسیح علیہ السلام پر کسی طرح چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ ہوسیع نبی نے تو اس آیت کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور ان کی بت پرستی اور بعلیم کے آگے ان کی قربانیوں کا ذکر کیا ہے اور بنی اسرائیل کو ملامت کی ہے کہ خدا نے تم پر وہ احسانات کیے اور تم نے ان کے جواب میں یہ حرکات کیں۔ اس کو پیشین گوئی اور وہ بھی مسیح علیہ السلام کے حق میں کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ توراۃ سے یہ ثابت ہے کہ بنی اسرائیل نے بابل کی اسیری سے رہا ہو کر بت پرستی سے توبہ کر لی تھی اور یہ حضرت مسیح کی پیدائش سے ۵۳۶ برس قبل کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی اصنام کے آگے سربسجود نہیں ہوئے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہوسیع نبی کا قول مسیح کی پیدائش سے بہت پہلے کے واقعات سے تعلق رکھتا ہے

چوتھی پیشین گوئی | انجیل متی کا مصنف مسیح کی پیدائش کے واقعات اور ہیرودیس بادشاہ کے قتل اطفال کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:-

تب وہ جو یرمیاہ نبی نے کہا تھا پورا ہوا کہ رامہ میں ایک آواز سننے میں آئی ہے نالہ اور رونا
اور بڑے ماتم کی کہ راخل اپنے لڑکوں پر روتی اور تسلی نہیں چاہتی اس لئے کہ وے نہیں ہیں

(باب ۲- آیت ۱۷ - ۱۸)

یہاں پھر تحریف سے کام لیا گیا ہے، کیونکہ یہ مضمون یرمیاہ باب ۳۱- آیت ۱۵ میں آیا ہے اور وہاں اس سے پہلے اور بعد کی آیات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق ہیرودیس کے واقعہ سے نہیں بلکہ بخت نصر کے اس واقعہ سے ہے جو یرمیاہ نبی کے زمانے میں پیش آیا تھا جس میں ہزاروں اسرائیلی مارے گئے اور ہزاروں بابل کی طرف جلا وطن کیے گئے۔ ان لوگوں میں ایک کثیر تعداد آل راحیل کی تھی، اس لئے راحیل کی روح عالم برزخ میں اس حادثہ پر تڑپنے لگی۔ اور حق تعالیٰ نے اس کو تسلی دینے کے لئے فرمایا کہ "اپنی زاری کو روک اور اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے باز رکھ کہ تیری محنت کے لئے اجر ہے خدا وند کہتا ہے اور وے دشمنوں کی زمین سے پھر آئیں گے اور تیری عاقبت کی بابت اُمید ہے خداوند کہتا ہے کہ تیرے لڑکے اپنی سرحد میں پھر داخل ہوں گے
(یرمیاہ باب ۳۱- آیت ۱۶- ۱۷)

پانچویں پیشین گوئی انجیل متی باب ۲- آیت ۲۳ میں پھر لکھا ہے۔

"اور ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا جا کے رہا کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔"

مگر عہد عتیق کے مجموعہ میں انبیاء کی جتنی کتابیں ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے علمائے یہود نے تو متی کی اس عبارت پر سخت حملے کئے ہیں۔ وہ اس کو قطعی جھوٹ اور بہتان قرار دیتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ ناصرہ تو در کنار جلیل کے پورے علاقے میں کبھی کوئی نبی پیدا ہی نہیں ہوا۔ (دیکھو یوحنا باب ۷- آیت ۵۲)

چھٹی پیشین گوئی | انجیل متی باب ۲۷ آیت ۹ میں مسیح کے صلیب دیے جانے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے

"تب وہ جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا پورا ہوا کہ انہوں نے وہ تیس روپے لئے اسکی ٹھیرائی ہوئی قیمت جس کی قیمت بنی اسرائیل میں سے بعضوں نے ٹھیرائی"۔

یہ مضمون نہ کتاب یرمیاہ میں ہے اور نہ عہد عتیق کی کسی دوسری کتاب میں۔ البتہ ذکریاہ نبی کی کتاب میں ایک جگہ یہ الفاظ ضرور ملتے ہیں۔

"اور میں نے انہیں کہا کہ اگر تمہاری نظر میں بھلا لگے تو میری قیمت مجھے دو اور نہیں تو مت دو اور انہوں نے میرے مول کی بابت تیس روپے تول کے دیے اور خداوند نے مجھے حکم دیا کہ اسے کمہار پاس پھینک دے اس اچھی قیمت کو جو انہوں نے میری ٹھیرائی تھی اور میں نے ان تیس روپیوں کو لیا اور خداوند کے گھر میں کمہار کے لیے پھینک دیا" (باب ۱۱ آیۃ ۱۲-۱۳)

یہ عبارت اور اس سے قبل و بعد کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیش گوئی نہیں بلکہ ایک گذرے ہوئے واقعہ کا بیان ہے، اور ان دراہم کا لینے والا ذکریاہ خود تھا۔ نہ کہ یہوداہ اسکریوتی

ساتویں پیشین گوئی | انجیل متی کے باب ۱۳ میں حضرت عیسیٰ کے تمثیلی کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"یہ سب باتیں یسوع نے ان جماعتوں کو تمثیلوں میں کہیں اور بے تمثیل ان سے نہ بولتا تھا تاکہ جو نبی نے کہا تھا پورا ہو کہ میں تمثیلیں لاکر کلام کرونگا میں ان باتوں کو جو دنیا کے شروع سے پوشیدہ ہیں ظاہر کروں گا۔ (آیت ۳۴ - ۳۵)

یہاں زبور کی اس عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کتاب ۷۸ میں اسطرح لکھی ہوئی ہے:

"میں اپنا منہ کھول کر ایک تمثیل کہونگا اور میں رازکی باتوں کو جو قدیم سے ہیں ظاہر کرونگا جنہیں ہم نے سنا ہے اور جانا اور ہمارے باپ دادوں نے ہم سے بیان کیا۔ ہم ان کی اولاد سے پوشیدہ نہ رکھیں گے بلکہ آینوالی پشت پر خداوند کی ستائش اور اس کی

قدرتیں اور اس کے عجائب کام جو اس نے کیئے ظاہر کریں گے، کیونکہ اس نے یعقوب میں ایک شہادت قائم کی اور بنی اسرائیل میں ایک شریعت رکھی جس کی بابت اس نے ہمارے باپ دادوں کو حکم کیا کہ وے اسے اپنی اولاد کو سکھلاویں تاکہ آئیندہ پشت وے فرزند جو پیدا ہویں سیکھیں اور وے اٹھ کے اپنی اولاد کو سکھلاویں اور وے خدا پر توکل کریں اور خدا کے کاموں کو بھلا نہ دیں بلکہ اس کے حکموں کو حفظ کریں اور اپنے باپ دادوں کی طرح ایک شریر اور سرکش نسل نہ ہوں ایسی نسل کہ جن نے اپنا دل مستعد نہ کیا اور اُن کے جی خدا سے لگے نہ رہے (آیت ۲ تا ۹)

اس عبارت کو پڑھیئے اور غور کیجئے کہ یہاں داؤد علیہ السلام کسی آنے والے نبی کی پیشین گوئی کر رہے ہیں یا خود اپنے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ میں ایسا اور ایسا کرونگا؟ اس کے بعد آیت ۱۰ سے لیکر ۶۵ تک وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور بنی اسرائیل کی شرارتوں اور ان کے عواقب کا مسلسل ذکر فرماتے ہیں، پھر کہتے ہیں :

تب خداوند اس شخص کی طرح جو نیند سے چونکے اور اس پہلوان کی مانند جو مے کے نشہ میں ہو اٹھا اور اس نے اپنے دشمنوں کی پچھاڑی ماری اور اس نے انہیں سدا کا ننگ کیا اور اس نے یوسف کے خیمے کو رد کیا اور افرائیم کے فرقے کو چن نہ لیا، پر اس نے یہوداہ کے فرقہ کو اور کوہ صیہون کو جو اس کا محبوب تھا برگزیدہ کیا اور اس نے اپنے مقدس کو آسمان سا بلند بنایا اور زمین کی مانند جس کی نیو اس نے ہمیشہ کے لئے رکھی اور اسنے اپنے بندے داؤد کو برگزیدہ کیا اور گلوں کے بھیڑسالوں میں سے اسے نکال لیا، اس نے اُسے بچوں والی بھیڑوں کے پیچھے سے لیا تاکہ اپنے لوگوں بنی یعقوب کو اور بنی اسرائیل کو جو اس کی میراث ہیں چراوے سو اس نے انہیں اپنے دل کی راستی سے چرایا اور اپنے ہاتھوں کی چالاکی سے اُن کی رہنمائی کی۔

(آیہ ۶۵ تا ۷۲)

یہ آیات اس بات پر صاف دلالت کر رہی ہیں کہ زبور ۷۲ بالکل حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہے اور حضرت عیسیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آٹھویں پیشین گوئی انجیل متی باب ۴ میں لکھا ہے :-"

جب یسوع نے سنا کہ یوحنا گرفتار ہوا تب جلیل کو چلا گیا اور ناصرت کو چھوڑ کر کفرناحوم میں جو دریا کے کنارے زبولون اور نفتالی کی سرحدوں میں ہے جا رہا کہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا پورا ہو، زبولون کی سرزمین اور نفتالی کی سرزمین یعنی غیر قوموں کا جلیل جو دریا کی راہ یردن کے پار ہے، ان لوگوں نے جو اندھیرے میں بیٹھے تھے بڑی روشنی دیکھی اور ان پر جو موت کے ملک اور سایہ میں بیٹھے تھے نور چمکا" (آیہ ۱۲ تا ۱۶)

یہ اشارہ ہے کتاب یسعیاہ باب ۹ کی اس عبارت کی طرف :-

" لیکن تیرگی وہاں نہ رہیگی جہاں آگے کو بہت پڑی تھی کہ اس نے پہلے زبلون کی سرزمین کو اور نفتالی کی سرزمین کو ذلت دی پر آخری زمانہ میں غیر قوموں کے جلیل میں دریا کے سمت یردن پار بزرگی دی۔ وے لوگ جو تاریکی میں چلتے تھے، انہوں نے بڑی روشنی دیکھی اور ان پر جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے نور چمکا۔ (آیہ ۱ تا ۲)

ان دونوں عبارتوں میں فرق ظاہر ہے اور ان میں سے ایک محرف ہے۔ قطع نظر اس کے یسعیاہ نبی کے کلام میں کسی آیندہ شخص کے ظاہر ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے وہ تو صرف یہ بیان کراتے ہیں کہ زبلون اور نفتالی کے باشندوں کا حال پہلے خراب تھا پھر اچھا ہو گیا، جیسا کہ ماضی کے صیغوں "ذلت دی" "بزرگی دی"، "روشنی دیکھی"، اور "نور چمکا" سے ظاہر ہو رہا ہے، اگر ہم اس کو مجازاً مستقبل کے معنی میں بھی لیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں یہاں روشنی کے دیکھے جانے اور نور کے چمکنے سے مراد اُن کی سرزمین سے صلحاء کا گزرنا ہے۔ اس خبر کو تنہا عیسیٰ علیہ السلام پر چسپاں

کرنا سراسر تحکم ہے۔ اس کی تائید میں دلیل کوئی نہیں۔

یہ اُن پیشین گوئیوں کا حال ہے جن کو مسیحیوں کی مقدس کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ ان میں جو کمزوریاں ہیں وہ آپ نے دیکھ لیں مگر وہی مسیحی علماء جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس سے بدرجہا زیادہ صریح پیشین گوئیوں پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں ان کا مادۂ تنقید اس وقت مفلوج ہو جاتا ہے جب یہ پیشین گوئیاں اُن کے سامنے آتی ہیں۔

۷۔ ترجموں کی تحریفات | اگلے اور پچھلے اہل کتاب کی عادت رہی ہے کہ وہ اکثر ناموں کا ترجمہ کر ڈالتے ہیں اور کتابوں کے ترجمے کرتے وقت اصل ناموں کے بجائے اُن کے معانی لکھ دیا کرتے ہیں پھر یہ بھی ان کی عادت ہے کہ وہ کتابوں کے تراجم میں تفسیر کے طور پر عبارتیں بڑھا دیتے ہیں اور کوئی ایسا اشارہ نہیں کرتے جس سے معلوم ہو سکے کہ اصل کلام کیا تھا اور اس میں کیا اضافہ کیا گیا۔ کتب قدیمہ کی تحریف میں اُن کی اِس عادت کا بھی بڑا حصہ ہے۔ مختلف زبانوں میں جو ترجمے ہوئے ہیں بلکہ ایک ہی زبان میں جو مختلف اڈیشن شایع ہوئے ہیں اُن کے مقابلہ سے بکثرت شواہد اس کے مل سکتے ہیں۔ میں نمونہ کے طور پر چند مثالیں یہاں نقل کرتا ہوں:-

(۱) ۱۶۲۵ء اور ۱۸۳۱ء اور ۱۸۴۴ء میں توراۃ کے جو عربی ترجمے شائع ہوئے ہیں اُن میں حضرت ہاجرہؑ کے کنوئیں کا نام "بیر الحی الناظر" لکھا گیا ہے۔ اور ۱۸۸۱ء میں جو اُردو ترجمہ امریکن بائبل سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوا ہے اس میں اسی کوئیں کا نام 'بیر لحی رائی' لکھا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش باب ۱۶۔ آیہ ۱۴) دونوں جگہ ایک ہی چیز کے ناموں میں کس قدر تفاوت ہے۔ عربی میں اصل نام کا ترجمہ کر دیا گیا اردو میں ایک غیر زبان کا نام نقل کر لیا گیا۔

(۲) ۱۸۱۱ء میں جو عربی ترجمہ شائع ہوا تھا اسمیں حضرت ابراہیم کے تعمیر کردہ مکان کا نام یہوہ یرائی لکھا ہے ۱۸۴۴ء کے ترجمہ میں اسی کا نام الرب یرئی لکھا ہے (دیکھو سفر تکوین باب ۲۲۔ آیت ۱۴) دونوں جگہ اصل عبرانی نام کے دو مختلف ترجمے کر دیے گئے ہیں۔

(۳) کتاب پیدائش باب ۳۱ - کی آیہ ۲۰ - کا عربی ترجمہ ۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں اسطرح ہے: فکتم یعقوب امرہ عن حمیل - اور ۱۸۲۵ء میں جو اردو ترجمہ شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے کہ "یعقوب نے لابن ارامی سے اتنی دغا کی کہ اپنے بھاگنے کی خبر اُس سے نہ کہی" ایک جگہ حمی کا لفظ ہے اور دوسری جگہ "لابن ارامی" دونوں کو ایک دوسرے سے کیا نسبت۔

(۴) اسی کتاب پیدائش کے باب ۴۹۔ آیت ۱۰ کا عربی ترجمہ ۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں اس طرح کیا گیا ہے: فلا یزول القضیب من یھوذا والمدبر من فخذہ حتی یجئ الذی لہ الکل وایاہ تنتظر الامم۔ یہاں "الذی لہ الکل" جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ شیلوہ ہے مگر ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں اسی لفظ کا ترجمہ الذی ھو لہ کیا گیا تھا۔ عیسائیوں کے مشہور محقق لیکلرک نے اسی لفظ کا ترجمہ عاقبتہ کیا ہے ۱۸۲۵ء کے اردو ترجمے میں "شیلا" لکھا ہے اور لاطینی ترجمے میں اسی کو (جو عنقریب بھیجا جائیگا) کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے ایک ہی لفظ کے کتنے مختلف تراجم کئے گئے حالانکہ یہ لفظ اس شخص کے نام کے طور پر آیا تھا جس کی بشارت دی گئی تھی۔

(۵) کتاب خروج کے باب ۳۔ آیت ۱۴ کا پہلا فقرہ ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں اسطرح لکھا ہے: فقال اللہ لموسیٰ اھیہ اشر اھیہ - یہ لفظ "اھیہ اشر اھیۃ" گویا بمنزلہ اسم ذات تھا۔ مگر ۱۸۱۱ء کے عربی ایڈیشن میں اس کا ترجمہ الازلی الذی لایزال کیا گیا' اور ۱۸۲۵ء کے اردو ترجمے میں "میں وہ ہوں جو میں ہوں" کر دیا گیا۔

(۶) خروج باب ۱۵ آیت ۱۱ کا آخری فقرہ ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں یوں ہے تبتی فی الیم فقط مگر ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں اسی فقرے کا ترجمہ تبتی فی اللیل فقط کیا گیا تھا

(۷) خروج باب ۱۷۔ آیت ۱۵ کا ترجمہ ۱۸۴۴ء کے عربی ایڈیشن میں یوں کیا گیا ہے: فابتنی موسیٰ مذبحاً ودعا اسمہ الرب عظمتی۔ ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں اس مذبح کا نام اللہ علی لکھا گیا تھا

ایک اور ترجمے میں اس کو الرب رایتی سے تعبیر کیا گیا۔ یہ عبرانی نام یہواہ نسی کے مختلف ترجمے ہیں۔

(۸) خروج باب ۳۰۔ آیت ۲۳ میں جہاں حضرت موسیٰ کو خوشبودار تیل بنانے کا نسخہ بتایا گیا ہے وہاں ۱۸۸۰ء کے اردو ترجمے میں "خالص مُر" لکھا ہے، ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں میعۃ فائقہ ہے اور ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں المسك الخالص۔ اور ترجمہ جزویت میں المر القاطر۔ اس چیز کا اصل عبرانی نام تو بہرحال ایک ہی ہوگا مگر اس کو مترجموں نے کتنے مختلف المعنی ناموں سے تعبیر کر دیا۔

(۹) استثناء باب ۳۴۔ آیت ۵ میں حضرت موسیٰ کو ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں "موسیٰ عبدالرب" لکھا گیا ہے اور ۱۸۱۱ء کے ترجمہ میں موسیٰ رسول اللہ۔ عبد اور رسول کا فرق ظاہر ہے۔ ایسے مترجموں نے اگر بشارات محمدیہ میں لفظ رسول اللہ کو کسی لفظ سے بدل دیا ہو تو کیا تعجب ہے۔

(۱۰) متی باب ۱۱۔ آیت ۱۴ کا ترجمہ ۱۸۱۱ء اور ۱۸۴۴ء کے ایڈیشنوں میں فهو ایلیا المزمع ان یاتی کیا گیا ہے اور ۱۸۱۶ء کے ایڈیشن میں فهٰذا هو المزمع بالاتیان کر دیا گیا، یعنی "ایلیا" کا نام اڑا کر محض نام کے ترجمہ پر اکتفا کر لیا گیا۔ ایسے لوگوں نے اگر کسی بشارت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بھی دوسرے الفاظ سے بدل ڈالا ہو تو کیا عجب!

(۱۱) یوحنا باب ۴ آیت ۱ کا پہلا فقرہ ۱۸۱۱ء۔ ۱۸۳۱ء اور ۱۸۴۴ء کے عربی ترجموں میں لما علم یسوع ہے اور ۱۸۱۶ء اور ۱۸۶۰ء کے ترجموں میں لما علم الرب۔ ایک ہی نام کا ترجمہ ایک شخص یسوع کرتا ہے اور دوسرا رب یا خداوند۔ ایسے لوگوں نے اگر عناد کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بھی تحریری الفاظ سے بدل دیا ہو تو کیا بعید ہے!

یہ مثالیں تو اس امر کی تھیں کہ بائیبل کے ترجموں میں اکثر ناموں کا ترجمہ کر کے کچھ سے کچھ کر دیا گیا ہے۔ آئیے اب چند نظیریں اس امر کی بھی دیکھئے کہ اصل کلام کے ساتھ تفسیری فقروں کو کس طرح خلط ملط کیا گیا ہے:

۱۔ انجیل متی باب ۲۷۔ آیت ۴۶ میں ہے: "نویں گھنٹے کے قریب یسوع نے بڑے شور سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا"۔ یہ آخری فقرہ جو یعنی کے بعد لکھا گیا ہے یقیناً الحاقی ہے۔

۲۔ مرقس باب ۳۔ آیت ۱۷ میں ہے "جنھیں بوانرجیس نام رکھا یعنی بنی رعد"۔ یہ "یعنی بنی رعد" عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا کوئی ٹکڑا نہیں ہے بلکہ بطور تفسیر بڑھا دیا گیا ہے۔

۳۔ مرقس باب ۵۔ آیت ۴۱ میں ہے: "اور اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کہا طالیتھا قومی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے لڑکی میں تجھے کہتا ہوں اٹھ"۔ یہاں پھر عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو تفسیری الفاظ کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا گیا ہے۔

۴۔ انجیل مرقس باب ۷۔ آیت ۳۴ کا ترجمہ ۱۸۷۰ء کے اردو ایڈیشن میں اس طرح ہے: "اور آسمان کی طرف نظر کر کے ایک آہ کی اور اسے کہا افتاح یعنی کھل جاؤ"۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور کے ترجمے میں افتاح کے بجائے افتح ہے۔ ۱۸۷۰ء کے عربی ترجمہ میں افثا ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں افاثا، ۱۸۴۴ء کے ترجمہ میں اینفتح اور شاہ جیمز کی بائیبل میں Ephphatha ہے۔ یہاں اول تو یہی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عیسیٰ نے در اصل کیا کہا تھا۔ پھر یعنی کے بعد مختلف ترجموں میں جو فقرے بڑھائے گئے ہیں وہ اصل کلام سے خارج اور الحاقی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کی زبان عبرانی تھی اور ان کے اقوال جو یونانی میں نقل کئے گئے ہیں وہ ان کے اصل اقوال نہیں بلکہ ان کے ترجمے ہیں۔

۵۔ انجیل یوحنا باب اول آیت ۴۱ میں ہے "ہم نے مسیح کو جس کا ترجمہ کرستس ہے پا لیا"۔ یہ ۱۸۷۰ء کا ترجمہ ہے۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور کے شائع کردہ ترجمہ میں یہ فقرہ اس طرح ہے: "ہم کو خرستس یعنی مسیح مل گیا"۔ ۱۸۱۱ء اور ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں اس کو یوں لکھا ہے

قد وجدنا مسیا الذی تاویلہ المسیح"۔ اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے "ماسیح را کہ ترجمہ آن کرسطوس می باشد یافتیم"۔ اور شاہ جیمز کی انگریزی بائبل میں ہے۔

We have found the Messias which is being interpreted the Christ

ان ترجموں کا اختلاف قابل غور ہے۔ اردو کے پہلے ترجمے اور فارسی ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اندریاس نے دراصل "مسیح" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اور اس کا ترجمہ "کرستس" یا "کرسطوس" ہے۔ عربی ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے "مسیا" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اور اس کا ترجمہ "مسیح" ہے۔ انگریزی ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مسیاس" کہا تھا اور اس کا ترجمہ "کرائسٹ" ہے۔ اردو کا دوسرا ترجمہ ان سب سے مختلف ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اندریاس نے "خرستس" کہا تھا اور اس کا ترجمہ "مسیح" ہے۔ اب یہ پتہ نہیں چلتا کہ اصل لفظ کیا کہا گیا تھا "مسیا" یا "مسیح" یا "کرستس"؟ مترجموں نے اصل لفظ اور اس کی تفسیر کو جس طرح خلط ملط کیا ہے ظاہر ہے۔

۶- اس کے بعد والی آیت میں پطرس کے متعلق مسیح علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔:

"تو کیفاس کہلا ویگا جس کا ترجمہ پطرس ہے"۔ یہ ۱۸۷۰ء کا اردو ترجمہ ہے۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور کا شایع کردہ ترجمہ یہ ہے: "تو کیفا یعنی پطرس کہلائیگا"۔ ۱۸۱۱ء کا عربی ترجمہ یہ ہے "انت تدعی بیطرس الذی تاویلہ الصخرہ"۔ ۱۸۳۱ء کا عربی ترجمہ یہ ہے: "ستسمی انت بالصفا المفسر بیطرس"۔ ۱۸۱۶ء کا فارسی ترجمہ: "ترا بکیفاس کہ ترجمہ آن سنگ است تدا خواہند کرد"۔ شاہ جیمز کی انگریزی بائبل میں یوں لکھا ہے۔

thou shalt be called Cephas whic is by interpretation a stone

یہاں پھر اصل اور تفسیر کے خلط ملط ہونے کی ایک بدترین مثال ملتی ہے۔ نہیں معلوم ہوتا کہ مسیح نے کیفاس یا کیفا یا صفا یا سیفاس کہا تھا اور اس کا ترجمہ پطرس یا پتھر ہے' یا انہوں نے دراصل پطرس" کہا تھا اور اس کا ترجمہ پتھر ہے؟

ان مثالوں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ ناموں کے ترجمے کرنے اور ان کو من مانے مفہومات سے بدل ڈالنے، اور اپنی کتابوں کے متن کو تفسیروں سے خلط ملط کر دینے کے خوگر رہے ہیں جس سے ان کی کتابیں تحریفات کا مجموعہ بن گئی ہیں۔ اور جب حال یہ ہے تو ہم کیا امید کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ذکر آیا ہوگا اس کو انہوں نے اپنی اصل پر باقی رکھا ہوگا۔ یہاں تو تحریف کی عادت کے ساتھ عناد اور کتمان حق کا جذبہ بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو امام قرطبی اور دوسرے علمائے سلف کی کتابوں میں جو پیشین گوئیاں ملتی ہیں وہ موجودہ زمانے کے مشہور ترجموں میں ان الفاظ کے ساتھ نظر نہیں آتیں۔ کیونکہ ان بزرگوں نے اپنے زمانے کے عربی ترجموں میں ان کو پایا تھا اور اب وہ ترجمے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیئے گئے ہیں۔

۸۔ **پال کا کوئی قول حجت نہیں** | اہل تثلیث نے سینٹ پال کو حواریوں کا مرتبہ دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک وہ مومن صادق نہیں ہے بلکہ ہم اسے ان منافقوں اور جھوٹے مدعیان رسالت میں سے سمجھتے ہیں جو عروج مسیح کے بعد بکثرت ظاہر ہو گئے تھے۔ اسی نے دین مسیحی کو خراب کیا اور اپنے معتقدوں کے لیے ہر حرام چیز کو مباح کر دیا۔ ابتداء میں وہ مسیحیوں کے طبقۂ اول کا کھلا دشمن تھا اور ان کو اذیتیں پہنچاتا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کھلی دشمنی سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا تو وہ نفاق کی راہ سے اس دین میں داخل ہو گیا اور مسیح کی رسالت کا دعویٰ کیا اور بظاہر ایک زاہدانہ روش اختیار کی۔ اس پردے میں اس نے جو چاہا کیا' اور اہل تثلیث نے اس وجہ سے اس کی پیروی قبول کر لی کہ وہ بظاہر اس کو نہایت زاہد اور پرہیزگار پاتے تھے' اور اس سے بھی بڑھ کر جس چیز کی وجہ

۲۱۔ سے وہ اس کے فریفتہ ہوگئے وہ یہ تھی کہ اس نے ان کو تمام تکالیف شرعیہ سے آزاد کردیا۔ ہتہ کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا دوسری صدی مسیحی میں منتش کے ساتھ پیش آیا جو ایک زاہد مرتاض اور جس نے دعوئی کیا تھا کہ میں ہی وہ فارقلیط ہوں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ بہت سے عیسائیوں نے اس کے ظاہری زہد و ریاضت کو دیکھکر اس کے دعوے کو قبول کرلیا، حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مدعی کذاب تھا، جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائے گا۔

پس سینٹ پال کا کوئی قول ہمارے لئے حجت نہیں ہے اور ہم اس کے ان رسائل کو جو عہد جدید کے مجموعہ میں شامل ہیں ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔

ان مقدمات کو بیان کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہود و نصاری کی کتابوں میں جو تحریفات ہوئی ہیں ان سب کے باوجود اب بھی ان کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بہت سی پیشین گوئیاں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص انبیاء کی پیشین گوئیوں کے انداز کو سمجھ لیگا (جیسا کہ ہم اپنے دوسرے مقدمہ میں بیان کرچکے ہیں) اور انصاف کی نظر سے ان پیشین گوئیوں کی شان پر غور کریگا جن کو انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ کے حق میں قرار دیا ہے۔ (جیسا کہ ہم اپنے چھٹے مقدمہ میں ظاہر کرچکے ہیں) وہ بآسانی اندازہ کرلیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو پیشین گوئیاں پائی جاتی ہیں وہ کس قدر قوی اور واضح ہیں۔

اب ہم اہل کتاب کی معتبر کتابوں سے ۱۰ پیشین گوئیاں نقل کریں گے۔ (باقی)